ایلاف

جاہلیت میں عربوں کے معاشی و سفارتی تعلقات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ایلاف

جاہلیت میں عربوں کے معاشی وسفارتی تعلقات

کلیۂ ادبیات، جامعۂ استانبول

عرصہ ہوا سورۂ ایلاف کی تفسیر میں نے فرانسیسی میں شائع کی تھی، اب اس کا اُردو ترجمہ جو میں نے ہی کیا ہے، کراچی کے موقر رسالہ "البلاغ" کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں تاکہ اگر پسند آئے تو شائع فرمادیں۔ محمد حمید اللہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

شہر مکہ کی تاسیس اور آغاز:

اہل مکہ کی روایتیں کہتی ہیں کہ اس شہر کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا، (جو تقریباً اٹھارہ سو سال قبل مسیح پیدا ہوئے تھے) شخصی اسباب کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حاجرہ اور دودھ پیتے بچے اسماعیل علیہ السلام کو وادی بکہ (قرآن سورہ ۳، آیت ۹۶) میں لا چھوڑا اور وہیں رفتہ رفتہ شہر مکہ آباد ہوا، یہ مقام اس وقت غیر آباد تو رہا ہو سکتا ہے لیکن قطعاً بے آب وگیاہ اور ناقابل رہائش بہر حال نہ تھا (سیرۃ ابن ہشام، طبع یورپ، صفحہ ۷۱-۷۲) غیر آباد ہونے کے باعث وہاں زراعت نہ ہوتی تھی (قرآن کریم سورہ ۱۴، آیت ۳۷:"وادٍ غیر ذی زرع" مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں آبادی کے امکانات اور انسانی زندگی کے ضروری عناصر نظر آئے ہوں گے جبھی تو انہوں نے (مکہ کی قدیم ترین تحریری تاریخی دستاویز یعنی قرآن مجید سورہ ۱۴، آیت ۳۵ تا ۳۷، نیز سورہ ۲، آیت ۱۲۶ کے مطابق) دعا فرمائی۔

''اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب، اس مقام کو پُرامن بنا، اور مجھے اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا...... اے میرے رب میں نے اپنی نسل کے ایک حصے کو ایک زراعت سے خالی وادی میں لا بسایا ہے جو تیرے حرام بنائے ہوئے گھر کے پاس ہے، تا کہ اے ہمارے رب وہ نماز قائم کریں پس ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں میووں کا رزق عطا فرما، شاید وہ شکر ادا کیا کریں گے۔''

عربی ماخذوں سے پتا چلتا ہے کہ اس وادی بکہ کے آس پاس کے علاقے میں عرب باشندے خانہ بدوش ہی سہی، رہتے تھے۔ ان کا تعلق بڑے اور طاقتور قبیلہ عمالقہ سے تھا (جیسا کہ ابن ہشام صفحہ ۳۹ نے ابن الزبعری کی بیت کو نقل کرتے ہوئے بتایا ہے، نیز دیکھو سہیلی کی الروض الانف جلد اول صفحہ ۵۱) یہ وہی عمالقہ ہیں جن کی ایک شاخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے خروج سے قبل فلسطین میں بس چکی تھی۔ یہودیوں نے ان کو وہاں سے نکال کر خود بسنا چاہا، عمالقہ نے حفاظت ذاتی میں مقاومت کی اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے یہودیوں نے ان بیچاروں کو بائبل میں جتنا کوسا اور بدنام کیا ہے اور ان کو اور انکی عورت، بچوں اور شیر خواروں ہی کو نہیں جانوروں تک کو جس بے دردی سے نیست و نابود کرنے کا حکم دیا ہے (دیکھو توریت کی کتاب تثنیہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو سال بعد کی تالیف ہے، باب ۲۰ جملہ ۱۶۔ نیز اشموئیل اول ۳/۱۵) وہ انسانی تاریخ کا سب سے شرمناک واقعہ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس سے ہمیں یہاں بحث نہیں۔

مذکورہ عربی ماخذوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی عرب کے قبائل میں سے ایک یعنی جرہم کے کچھ لوگ وادئ مکہ میں سے گزرے اور وہاں پینے کا پانی افراط سے چشمے کی صورت میں دیکھا .... جو اب زمزم کا کنواں بن گیا ہے .... نیز ایک جنگل موجود پایا (ابن ہشام صفحہ ۷۱-۷۲) اور ممکن ہے جانوروں کے لیے چراگاہ بھی

پائی ہو، اس پر وہ وہیں ٹھہر گئے۔ اگر حضرت ہاجرہ کو اپنی تنہائی میں اس قبیلے کی آمد غنیمت معلوم ہوئی تو جرہمیون کو بھی چشمے کی مالک حضرت ہاجرہ نے وہاں بسنے کی اجازت دی تو شکر گذاری محسوس ہوئی، چنانچہ انہوں نے بی بی اور ان کے ننھے بچے کو اپنی حفاظت اور مہمان نوازی میں لے لیا، جرہمیوں کے دوسرے رشتہ دار خاندان بھی رفتہ رفتہ وہاں آکر بسے۔ اور بستی وفاقی دستور کا ایک شہر یا ایک شہری مملکت بن گئی۔ اس لامرکزیت کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کنبوں میں اس بات پر اتفاق نہ ہوسکا کہ شہری زندگی سب لوگ ایک ہی ادارے کے تحت گزاریں۔ ابن ہشام (حوالۂ بالا) کے مطابق جُرہم قبیلہ اپنے سردار مُضاض بن عمرو کے ساتھ مُعلات (بالائی رقبے) میں بسا اور ان کا رشتہ دار قبیلہ قطوراء، جس کا سردار سُمیداع تھا مسفلہ (زیرین رقبے) میں قیام پذیر ہوا۔ جو کوئی شمالی راستے سے شہر میں آتا تو اس سے مُضاض عُشر (چنگی) وصول کرتا اور جو جنوبی راستے سے آتا وہ عُشر سُمیداع کو ادا کرتا، کچھ عرصہ بعد ان دونوں قبیلوں میں برادر کشی اور جنگ کا بھی پتا چلتا ہے جس پر کسی کو حیرت نہ ہونی چاہیے۔

مگر اتنے قدیم عہد میں اس شہری مملکت کے ''سفارتی'' تعلقات کے سلسلے میں معلومات اور تفصیلوں کی تلاش بے سود ہوگی۔

جو بھی ہو، کہتے ہیں چند سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں دوبارہ آئے، تاکہ اپنے بیٹے اسماعیل کو جو اب ایک نوجوان لڑکا تھا، دیکھیں۔ قرآن مجید (سورہ ۲، آیت ۱۲۷ و مابعد) کی شہادت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں ایک عبادت گاہ تعمیر کی۔ یہ ایک سادہ مکعب کوٹھڑی تھی، جو اب کعبے کے نام سے مشہور ہے۔ اسے آپ نے ''بیت اللہ'' کا نام دے کر خدائے واحد کی عبادت سے مخصوص کیا، قرآن مجید (سورہ ۳، آیت ۹۶) نے اسے ''اوّل بیت وُضِعَ للناس'' (پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا) قرار دیا ہے، اور یہ بیت المقدس سے کہیں قدیم تر ہے (جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کے سلسلے میں حج کا بھی حکم دیا کہ لوگ ہر سال عبادت کے لیے اس کی زیارت کو آئیں۔ آس پاس کے لوگ بھی وہاں کشاں کشاں آنے لگے (کوئی عبادت

کے لیے تو کوئی تجارت کے لیے) اور اس طرح شہر کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی گئی۔

اس کا سلسلہ صدیوں جاری رہا، اس اثنا میں بڑے بھی وہاں آکر ادب سے سر جھکاتے رہے چھوٹے بھی۔ اگر وہاں عرب کے مختلف علاقوں کے "بادشاہ" نظر آتے ہیں تو اجنبی بھی ملتے ہیں، عرب مورخوں (شرح بخاری للعینی ج ۷، ص ۳۶۵، نیز اخبار مکۃ للازرقی، وکتاب التیجان لابن ھشام، برموقع) کو یقین ہے ان اجنبی زائروں میں افسانہ خیز بادشاہ ذوالقرنین (یعنی دوسینگوں والا) بھی شامل تھا۔ اگر اس سے مراد سکندر اعظم ہے تو یونانی تاریخوں میں سکوت ملتا ہے، اگرچہ اس کا مصر سے ہندوستان جاتے ہوئے حجاز سے گزرنا ناممکن نہیں، خاص کر اس بت پرست اور اوہام پسند بادشاہ کے لیے مکے کی عبادت گاہ اتنی مشہور تھی کہ پرانے یونانی جغرافیہ نگار بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً بطلیموس (جغرافیہ کتاب ۴، باب ۷، فصل ۳۲) اس کو مقربہ (MACORABA) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ خوری حلمی (کی انگریزی ہسٹری آف دی عربس، طبع 1951ء ص ۱۰۳ میں) لکھا ہے، سبائی زبان میں اس لفظ کے معنے عبادت گاہ کے ہیں (غالباً اس لفظ کو عربی لفظ مُقَرَّب سے ربط ہے جو قُرب اور قربان گاہ کے معنے رکھتا ہے یعنی بھینٹ چڑھانے کی جگہ: کعبے کے پاس ایسا ہوا بھی کرتا تھا) اس سے اس روایت کی توثیق ہوتی ہے کہ یمنی قبیلہ جُرہُم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے زمانے میں مکہ آباد کیا تھا، جہاں تک ذوالقرنین کا تعلق ہے مقدونیہ والا سکندر اعظم ایک مینڈھے کی پوجا کیا کرتا تھا اور اس کی سینگیں بطور علامت کے ٹوپی پر لگا کر پہنتا تھا، یہ رواج مقدونیہ (یوگوسلاویہ) میں اب تک رہا ہے اور وہاں کے حکمران عیسائیت کے باوجود دوسینگوں والی ٹوپی درباری مراسم کے وقت پہنتے رہے ہیں، عربوں نے سکندر اعظم اور اس کے ساتھیوں کو اس لباس میں دیکھا تو ذوالقرنین سے بہتر نام اسے اور کیا دیا جا سکتا ہے! مصر میں سکندر اعظم کے جو کتبے ہیں ان سے اس لباس اور اس کے مفہوم کی پوری توثیق ہوتی ہے۔ عبدالمطلب کے زمانے میں کعبے کی آرائش جن قدیم اور قیمتی چڑھاووں سے کی جاتی تھی ان میں دوسینگوں والے سنہری کبش (مینڈھے) کے سر کا بھی ذکر آتا ہے (اخبار مکۃ للازرقی، ص ۱۱۱، سنن ابی داؤد، ۱۱/۹۵)۔

معلوم نہیں ایرانی بادشاہ ساسان کبھی شخصاً مکہ آیا تھا یا نہیں، مگر سہیلی (الروض الانف ۱/ ۹۷) نے لکھا ہے کہ جب خزاعہ قبیلے نے حملہ آوری کر کے جُرہُم کو مکہ سے نکال باہر کیا تو جرہمیوں نے کعبے کے چڑھاووں کا خزانہ زمزم کے کنوئیں میں ڈال کر اسے پاٹ دیا تھا، عبدالمطلب نے جب زمزم کا خواب میں نشان پا کر اس کو دوبارہ کھودا تو اندر سے خزانہ بھی برآمد ہوا، اس میں دو سنہری ہرنیں اور چند "قلعی" تلواریں بھی تھیں جو ایرانیوں کے بادشاہ ساسان نے کعبہ کو تحفہ دی تھیں۔ بعض روایتوں میں یہ بادشاہ شاہپور کی فرستادہ چیزیں ہیں۔

مختلف خانوادے:

جرہمیوں کے علاوہ جنکا اوپر ذکر آیا مورخوں کا بیان ہے کہ مکے پر قبیلۂ ایاد نے بھی حکمرانی کی ہے (انساب الاشراف للبلاذری جلد اول، ص ۵۱) پھر انہوں نے خزاعہ قبیلے کے لیے اپنی جگہ خالی کی۔ اس عہد کے متعلق زیادہ حالات معلوم نہیں، لیکن جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قُصَیؔ نے خزاعی سردار کی بیٹی سے نکاح کیا تو یہ ایک تاریخی زمانے سے تعلق رکھتا ہے جس کا ٹھیک عصر بھی معین کیا جا سکتا ہے۔ خسر کے انتقال پر قصی نے وہاں سرداری حاصل کر لی۔ قُصَی کی ماں شمالی عرب کے قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتی تھی، ابن حبیب (کتاب المنمق، طبع حیدرآباد دکن، ص ۲۷۶) کا بیان ہے کہ اس تبدیلی حکومت کے زمانے میں قضاعہ اور ان کے حلیف اسد کے قبیلوں نے مسلح فوج بھیج کر قصی کی حمایت کی تھی۔ ابن حبیب کے شاگرد ابن قتیبہ (کتاب المعارف، طبع یورپ، ص ۳۱۳) کے مطابق تو قیصر روم (بیزنطینی حکمران) نے قصی کی مدد کی تھی۔ اس زمانے میں پہلا تھیوڈوس (۳۷۹ تا ۳۹۵ء) بادشاہ تھا۔ اس زمانے میں رومی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور قسطنطنیہ کے مشرقی رومیوں (بیزنطینیوں) نے روما کے مغربی رومیوں سے خودمختاری اختیار کر لی تھی، ممکن ہے قصی کی مدد سے تھیوڈوس کا منشا اپنے اقتدار کو مضبوط تر بلکہ وسیع تر کرنا بھی ہو۔

جو بھی ہوا ہو، قصی نے بلدی زندگی کی نئی تنظیم کی اور مکے کی شہری مملکت میں

متعدد ادارے کارفرمائی کرنے لگے جن میں سے بعض صراحت کے ساتھ قصی کی ایجاد ہونا بتائے گئے ہیں۔(مثلاً باشندوں پر رفادہ کے نام سے ایک سالانہ ٹیکس عائد کیا جانا)۔

مکے کی حکومت:

ہر دیگر مملکت کی طرح مکے کی شہری مملکت بھی خودمختار تھی اور اندرونی اور بیرونی اقتدار اعلیٰ سے بہرہ ور تھی۔ چنانچہ وہ اجنبیوں سے معاہدے کر سکتی اور کسی اور اجنبی اقتدار کی ماتحتی کے بغیر ان سے امن یا جنگ کے تعلقات رکھ سکتی تھی۔

ہم یہاں صرف سفارتی اور اجنبی تعلقات سے بحث پر اکتفا کریں گے۔ اس سلسلے میں وہاں ایک موروثی عہدہ دار (وزیر) ''سفیر ومُنافر'' کے نام سے پایا جاتا تھا۔ اس کا پتا نہیں چلتا تھا کہ کس تاریخ سے اس ادارے کا آغاز ہوا، لیکن زمانۂ ماقبل اسلام کے متعلق پرانے مورخوں نے بعض معلومات محفوظ رکھی ہیں۔ چنانچہ ابن عبدربہ (فوت ۳۲۸ھ، ۹۴۰ء) نے العقد الفرید (طبع بولاق ۱۲۹۳ھ، جلد دوم، ص ۴۶) میں اور المقریزی (ف ۸۴۵ھ، ۱۴۴۲ء) نے الخبر عن البشر (مخطوطۂ مصر جلد چہارم، ص ۸۸ تا ۹۰) میں ...... اور ان میں سے اول الذکر نے ابن الکلبی کے حوالے سے ...... بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مکے میں اعیانی حکومت تھی جس میں دس موروثی سرداروں کی مجلس کارفرمائی کرتی تھی۔ وزیر خارجہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ مورخ لکھتے ہیں کہ'' اگر کوئی جنگ چھڑتی تو (حضرت) عمر بن الخطاب کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا، اگر کسی اور قبیلے سے فضیلت اور برتری منوانے کے لیے منافرت کی ضرورت پیش آتی تو اس کے لیے بھی قریش عمر بن الخطاب کو اپنا مُنافر بنا کر بھیجتے اور یہ نمائندہ جو بھی کہتا قریش اسے قبول کر لیتے''۔ سارے مؤلف اس پر متفق ہیں کہ اس مجلس حکومت میں دس افسر ہوا کرتے، یہ کہ اسلام کی آمد تک اس کا سلسلہ جاری رہا اور یہ کہ سفیر ومنافر کے عہدے پر اسلام سے عین ماقبل حضرت عمر مامور تھے۔

الازرقی نے اپنی مشہور تاریخ (اخبار مکہ، طبع یوروپ ص ۱۰۷) میں بیرونی تعلقات کے متعلق ایک اور واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ خانۂ کعبہ میں آگ لگی

جس سے دیواریں کمزور ہو گئیں، پھر جب ایک موسلا دھار بارش ہوئی تو دیواریں گر پڑیں اور دوبارہ تعمیر کی ضرورت پیش آئی۔ اس طوفان سے سمندر بھی محفوظ نہ رہا اور ایک رومی (بیزنطینی) جہاز جو سامان لے کر (مصر سے) یمن جا رہا تھا، شعیبہ (موجودہ جدہ) کے سامنے خشکی پر چڑھ گیا، خبر ملی تو مکے والے وہاں گئے اور جہاز کا جو سامان بچ سکا تھا خاص کر لکڑی کے تختے خرید لیے اور جہاز والوں کو اجازت دی کہ مکہ آئیں اور بچا کھچا سامان وہاں بیچیں اور انہیں عُشر (محصول درآمد) بھی معاف کر دیا، ورنہ عادت یہ تھی کہ رومی تاجر مکہ آئے تو ان سے وہاں عُشر (دس فیصد چنگی) وصول کیا جائے جس طرح کہ رومی اپنے علاقہ میں مکی تاجروں سے وصول کرتے تھے۔'' یہ ۶۰۵ء کا واقعہ ہے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس (۳۵) سال کی تھی اور اس میں شبہ نہیں کہ: مکی قانون بین الممالک کا خاصا قدیم قاعدہ تھا۔

یہاں ایک اور واقعے کا ذکر کیا جا سکتا ہے جسے کسی قدر اہمیت حاصل ہے، وہ یہ کہ قدیم زمانے میں مکہ مشرق و مغرب کی بین الممالک تجارت کی شاہراہ پر واقع تھا۔ یمن بلکہ خود ہندوستان کی پیداوار شام اور قسطنطنیہ جانے کے لیے مکے سے گذرتی تھی۔ اس عبور و مرور کے لیے ہر مقام (بشمول مکہ) کے لوگوں کی اجازت ناگزیر تھی۔ اسی طرح عرب بھی (بشمول اہل مکہ) تجارت کے لیے بیرونی ممالک کا سفر کیا کرتے تھے، اور سربرآوردہ لوگ جہاں بھی جاتے وہاں کے اعلیٰ افسروں سے ضرور ملتے تھے۔ خاص کر شاعر بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوتے اور مدح و ستائش کے قصیدے گاتے۔ ابن عبد ربہ وغیرہ کی کتابوں میں ''وفادات'' پر مستقل باب بھی ہیں کہ کس طرح مختلف عرب افراد بیرونی حکمرانوں کے ہاں باریاب ہوتے رہے۔ اس سلسلے میں مکہ کے سربرآوردہ لوگ حبش کے نجاشی، فارس کے کسریٰ، مصر کے گورنر، یمن، غسان (شام) اور حیرہ (عراق) کے بادشاہوں وغیرہ کے ہاں حاضر ہوتے نظر آتے ہیں۔

اس طرح کی ایک سفارت قبل اسلام کی عربی تاریخ میں بڑی مشہور ہے۔ اسے ایلاف کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر کثیر مواد کے باوجود، مشرق میں ہو کہ مغرب میں، کسی نے اب تک توجہ نہیں کی یہاں اسی کا کچھ ذکر مطلوب ہے۔

ایلاف:

سب سے پہلے یہ یاد دلانا ہے کہ قرآن مجید میں ایک چھوٹا لیکن پورے کا پورا سورہ اس موضوع پر ہے جسے کبھی سورۂ قریش اور کبھی سورۂ ایلاف کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

رحمان اور رحیم اللہ کے نام سے!

۱۔ قریش کے ''ایلاف'' کے باعث،

۲۔ ان کے ''ایلاف'' کے باعث سرما اور گرما کا کارواں چلتا ہے۔

۳۔ پس چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے آقا کی عبادت کریں۔

۴۔ جس نے بھوک پر انہیں کھانا کھلایا۔

۵۔ اور خوف پر انہیں امن مہیا کیا ہے۔

(سورہ ۱۰۶، آیات ۱ تا ۵)

سورے میں مذکورہ اس ''ایلاف'' سے کیا مراد ہے؟ اولاً ایک پرانے واقف کار مورخ ابن حبیب (فوت ۲۴۵ ھ) کی طرف رجوع کریں، وہ اپنی کتاب المحبر، ص ۱۶۲ میں) بیان کرتا ہے کہ "ایلاف العہود" (یعنی ایلاف کے معنی معاہدوں کے ہیں)، سہیلی نے (اپنی سیرت نبوی الروض الانف، ۱/ ۲۸ میں) اس کی تائید کی ہے، اور مختلف شواہد سے استناد کیا ہے۔ لغت نویسوں کو بھی اس سے انکار نہیں۔ ایلاف کا مادہ ''الف'' الفت اور دوستی کے معنے رکھتا ہے اور اس کا فعل متعدی یعنی ایلاف دوستی کرانے، اور الفت پیدا کرنے کے معنے رکھ سکتا ہے۔ لسان العرب اور تاج العروس جیسی بڑی اور مستند لغتوں میں مادہ الف کے تحت مزید برآں یہ بھی صراحت ہے کہ ''قرآن مجید میں آئے ہوئے لفظ ایلاف کے معنے معاہدوں اور سمجھوتوں کے ہیں'' لیکن بطور اسم علم کے ایلاف کا اطلاق ان معاہدوں پر ہوتا ہے جو چند سربرآوردہ اہل مکہ نے ہمسایہ حکمرانوں سے طے کیا تھا (جن کی تفصیل نیچے آتی ہے)۔ ایلاف کے اس مفہوم کی مزید توثیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ ان ایلاف نامی معاہدوں کو بعض مؤرخوں نے عِصَم اور عہود کے نام سے اپنی کتابوں میں

ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ کے بھی معنے ہیں معاہدے، یا اطمینان دہانیاں۔

ان معاہدوں کا قصہ:

تاریخ یعقوبی (۲۷۰/۱ تا ۲۸۲) میں لکھا ہے: اہل مکہ مصیبت زدہ تھے اور ان کے تاجروں کا کاروبار حدود شہر سے باہر نہ جاتا تھا۔ ایک سال قحط پڑ کر حالت ابتر ہوگئی تو ہاشم (آنحضرتؐ کے دادا) نے تجارت کے لیے شام کا سفر کیا، کارواں کے سردار کے اچھے طرز عمل کی اطلاع قیصر روم تک پہنچی، وہ فیاض، مہمان نواز اور دیگر اچھے اخلاق کا حامل ہے۔ اپنے استعجاب کی تشفی کے لیے قیصر نے ہاشم کو حضور میں طلب کیا اور گفتگو کے بعد اسے اجازت دی کہ تجارتی کارواں شام لایا کرے اور وہاں اپنے ملک کی پیداوار بیچے، مثلاً حجاز کے چمڑے اور یمن کے کپڑے، سفر واپسی میں ہاشم نے شام سے مکے تک راستے میں پڑنے والے قبیلوں سے (عبور و مرور کی سلامتی کے) معاہدے کیے .... یعقوبی نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ ہاشم نے ایک مماثل معاہدہ حبش کے نجاشی سے بھی کیا، پھر ہاشم کی وفات پر (اس کے بھائی) عبد شمس نے حبش کا سفر کیا کہ اس اجازت نامے کی تجدید کرائے۔

ایک اور مورخ ابن حبیب نے اپنی کتاب (المنمق ص ۳۱ تا ۴۰ باب ''حدیث الایلاف'') میں اس کی مزید تفصیلیں دی ہیں اور الکلبی کے حوالے سے ہاشم اور قیصر کی گفتگو نقل کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ہاشم نے قیصر سے کہا کہ اگر حجازی پیداوار خود لا کر بیچے تو (درمیانی واسطے نہ ہونے کی وجہ سے) وہ تمہیں سستی پڑے گی'' (فھو أرْخَصُ عَلَيْکُمْ) قیصر کی اجازت ملنے پر ہاشم مکہ واپس آیا ایک بڑا تجارتی کاروان تیار کیا اور شام لے گیا۔ ابن حبیب لکھتا ہے کہ اس دوسرے سفر کی اثنا میں ہاشم نے شہر غزہ میں (جو عرب کے انتہائی شمال میں علاقہ فلسطین میں بحر متوسط پر واقع ہے) وفات پائی اور اسے وہیں دفن بھی کر دیا گیا۔ یہ کہ ایک مماثل مقصد کے لیے ہاشم کے بھائی المطلب نے یمن کا سفر کیا اور رَدمان (یمن) میں وفات پائی: تیسرا بھائی نوفل کارواں لیکر عراق گیا کیونکہ کسریٰ ایران نے اسے اس کی اجازت دی تھی۔ نوفل کی وفات سلمان

(عراق) میں ہوئی: صرف چوتھا بھائی عبد شمس حبش کے کاروان سفروں کے باوجود اپنے گھر میں فوت ہوا اور مکے میں دفن کیا گیا، شاعر مطرود الخزاعی نے اس کا ذکر اپنے مرثیے میں یوں کیا ہے (ترجمہ از عربی):

ایک قبر سلمان میں، ایک قبر۔
رومان میں اور ایک قبر غزات (غزہ) میں۔
اور ایک جس کی وفات
حجون کے قریب ثنیات کے مشرق میں ہوئی۔

طبقات ابن سعد (طبع یورپ جلد اول، حصہ اول ص ۴۳ تا ۴۶) میں کئی ماخذوں کی مدد سے تفصیل دی گئی ہے، چنانچہ الکلبی کے مطابق سب سے بڑے بھائی المطلب نے نجاشی حبش سے، ہاشم نے شام کے ہرقل سے .... (گویا ہرقل رومی شہنشاہوں کا لقب ہو)، نوفل نے کسریٰ عراق سے اجازت حاصل کی کہ ان کے علاقوں میں تجارتی کارواں لایا کریں۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق سردیوں میں کاروان یمن جاتے اور گرمیوں میں غزہ بلکہ انقرہ تک چلے جاتے۔ آگے چل کر ابن سعد نے لکھا ہے کہ قیصر نے نہ صرف ہاشم کو رومی علاقے میں کارواں لانے کی اجازت دی، بلکہ ایک سفارشی خط نجاشی کے نام بھی دیا جس میں حبش کے بادشاہ سے سفارش کی تھی کہ وہ بھی مکی تاجروں کو مماثل اجازت دے، ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہاشم نے راستے پر پڑنے والے قبیلوں سے بھی معاہدے کیے جن میں یہ قرارداد تھی کہ ان قبیلوں کا سامان قریش رومی منڈیوں تک خود مفت لیجائیں گے اور جو قیمت وصول ہو وہ کمیشن لیے بغیر ان کو ادا کردیں گے (معاوضہ میں قبیلہ کارواں کی سلامتی کا ذمہ دار ہوگا) ابن سعد نے مزید برآں یہ بھی صراحت کی ہے کہ قیصر سے اجازت ملنے کے بعد ہاشم جب مکرر (آخری مرتبہ) شام کے سفر پر روانہ ہوا تو اثناء راہ میں مدینے سے گزرتے وقت وہاں ایک نوجوان بیوہ سے نکاح کیا پھر آگے روانہ ہوکر یکایک غزہ میں وفات پائی۔ چند ماہ بعد سوگوار بیوی کو عبدالمطلب نامی لڑکا پیدا ہوا (یعنی آنحضرت کا دادا)۔

تاریخ طبری (طبع یورپ سلسلہ اول صفحہ ۱۰۸۹) میں لکھا ہے کہ یہ معاہدہ شام کے رومی اور غسانی افسروں سے طے ہوا تھا، یہ کہ ہاشم کے بھائی عبدشمس نے حبش کا سفر کیا کہ نجاشی سے مماثل معاہدہ کرے، یہ کہ ایک اور بھائی نوفل کسرٰی ایران سے ملنے عراق گیا تاکہ عراق اور ایرانی سرزمین میں آنے کی مماثل اجازت حاصل کرے، اور یہ کہ ایک اور بھائی المطلب نے یمن کا سفر کیا تاکہ وہاں کے حمیری بادشاہ سے بھی اسی طرح کا اجازت نامہ حاصل کرے۔

ابن حبیب کی کتاب المنمق (ص ۲۶۲ تا ۲۶۴) میں اسی موضوع پر ایک دوسرا باب بھی ہے جس کا عنوان ہے "حدیث الرحلتین" اس میں الکلبی کی روایت نقل ہوئی ہے کہ ابتداء قریش کی یہ عادت تھی کہ ہر سال دو مرتبہ کاروانی سفر کریں: سردیوں میں یمن کا گرمیوں میں شام کا۔ رفتہ رفتہ یہ ان کے لیے دوبھر ہوگیا...... (اس لیے کہ وہ مالدار اور آرام طلب ہو گئے تھے؟ یا اس لیے کہ اصل کارپرداز تاجر بوڑھے ہو گئے تھے؟)...... اس پر تبالہ اور جرش نیز یمن کے بعض دیگر ساحلی رقبوں کے باشندے سامان پہنچانے کا کام خود انجام دینے لگے۔ بری تاجر (جنوبی مشرقی مضافات مکہ یعنی) المحصب تک سامان پہنچاتے، اور بحری تاجر بندرگاہ جدّہ تک۔ اس طرح اہل مکہ کو خود سفر کرنے کی حاجت نہ رہی، مگر ایک مرتبہ ایسا قحط پڑا جو مسلسل کئی سال تک جاری رہا اور اہل مکہ کے سارے سرمائے خرچ ہو گئے، اس وقت ہاشم نے شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ وہاں اس نے بڑی مقدار میں روٹیاں خریدیں اور انہیں مکہ لا کر چور چور کیا (کہ سخت ہو گئی تھیں) اور انہیں ایک گرم شوربے میں ڈال کر اہل مکہ کی ضیافت کی، اسی سبب سے اسے ہاشم کے لقب سے یاد کیا جانے لگا (جس کے معنی ہیں "چور چور کرنے والا") ورنہ اس کا نام اصل میں عمرو تھا۔

نظام الدین القمی نے اپنی تفسیر میں سورۂ ایلاف کی بحث میں ان معلومات کا اضافہ کیا ہے کہ مذکورۂ بالا بحری تاجر حبشی تھے، یہ کہ مکے والے جدے تک اپنے گدھے لیجاتے تاکہ کشتیوں سے اتارا ہوا مال مکے تک لائیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حبشی تاجروں نے بعد میں اپنا حلقۂ عمل وسیع تر کرلیا اور

اپنا درآمد کردہ مال خود ہی مکے تک پہنچانا شروع کیا۔ اس سلسلے میں ایک چھوٹے سے واقعے کا بلاذری (انساب الاشراف، مخطوطۂ استانبول ۲/ ۴۲۵) اور ابن عبد ربہ (العقد الفرید، ۲/ ۴۷) نے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانے میں حبشی تاجر سامان مکہ لائے مگر وہاں چند نوجوانوں نے اسے فوراً لوٹ لیا، اہل مکہ (قریش) ڈرے کہ کہیں اس کے بُرے نتائج میں حبشی سامان کی درآمد ہی بند نہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے نجاشی کے ہاں ایک سفارت بھیجی اور چند آدمی بطور یرغمال بھی اس کے سپرد کیے، تاکہ اسے اپنی حسن نیت کا یقین دلائیں۔ نجاشی ابویکسوم[1] نے ان یرغمالوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔

ابن ہشام (سیرۃ رسول اللہ، طبع یورپ، صفحہ ۳۶ تا ۳۸، ۸۷ تا ۸۹، اور ۱۱۳ تا ۱۱۴) کے ہاں کوئی خاص نئی چیز نہیں۔

وہ مذکورہ قصے کا خلاصہ بیان کرتا اور چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے، اس کتاب کے شارح سہیلی (الروض الانف ۱/ ۴۸، ۹۴ تا ۹۷، ۱۱۷) نے کوئی نئے معلومات نہیں دیے ہیں، البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس مولف کے ہاں (ص ۴۸ پر) جن حکمرانوں نے کارواں لانے کی اجازت دی تھی ان میں مصر کے بادشاہ کا ذکر ہے، یمن کے حکمران کا نام نہیں ممکن ہے سہوِ قلم ہو۔

البلاذری (انساب الاشراف، طبع مصر ۱/ ۵۹) میں مختصر ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ہاشم نے شام وغیرہ کے حکمرانوں سے "عِصَم" یعنی حفاظت کی اطمینان دہانیاں) حاصل کیں۔

آخر میں مسعودی (مروج الذہب، طبع یورپ ۳/ ۱۲۱ تا ۱۲۲) قابل ذکر ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ "قریش نے بادشاہوں سے ایلاف حاصل کیا اور یہ کہ اس لفظ کے

---

[1] اس زمانہ میں یکسومی خانوادے کی حبش میں حکومت تھی، معلوم نہیں اسی کی طرف اشارہ ہے، یا واقعی اس نجاشی کے بیٹے کا نام بھی یکسوم تھا، یمن کے سد مارب پر ابرہہ کا جو کتبہ ہے اس میں ابرہہ کے ایک بیٹے کا نام یکسوم ہی لکھا ہے۔ اور اس ابرہہ کو بھی عرب مورخ ابویکسوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آیا نجاشی یعنی حبش کے بادشاہ کا بھی یہی نام تھا، یہ معلوم نہیں۔

معنے ہیں امن''۔ پھر اس مؤلف نے تائید میں مطرود الخزاعی کی بیتیں نقل کی ہیں جن میں ان مذکورہ معاہدوں کو لفظ ''عہد'' سے موسوم کیا گیا ہے۔

ان واقعات کی توقیت اور حکمرانوں کا تعین:

جیسا کہ نظر آئیگا سارے ہی مؤلف اس پر متفق ہیں کہ یہ معاشی و سفارتی کارنامہ ہاشم نے انجام دیا تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہیں، ہمارے ماخذوں میں واقعے کی تاریخ بیان نہیں ہوئی ہے لیکن اس کا متعین کرنا دشوار نہیں معلوم ہوتا۔

ابن ہشام (صفحہ ۱۰۸) کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی۔ انساب بلاذری (۱/۸۴) میں وہ ساری روایتیں جمع کی گئی ہیں جن میں عبدالمطلب کی عمر کا ذکر ہے وفات ۸۲ یا ۸۸ یا ۱۱۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ بلاذری (حوالۂ بالا) ابن حبیب (کتاب المحبر ص ۱۷۴) نیز دیگر بعض مؤلفوں نے تو عبدالمطلب کی وفات ۱۴۰ سال کی عمر میں قرار دی ہے۔ ان سب کا اوسط یعنی ۱۱۰ سال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور عام طور پر مورخ یہی عمر بیان کرتے ہیں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مورخوں (انساب البلاذری ۱/۸۴ اور محبر لابن حبیب، ص ۲۹۶) کے مطابق سن رسیدگی کے باعث عبدالمطلب کی بصارت بالکلیہ زائل ہوگئی تھی۔

چونکہ رسول اکرم کی ولادت ۵۶۹ء میں ہوئی اور جب آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی تو عبدالمطلب نے وفات پائی ۵۷۷ء میں اور ولادت اس سے ۱۱۰ سال قبل ۴۶۷ء میں ہونی چاہیے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ عبدالمطلب کی ولادت مذکورۂ بالا معاہدات کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ہوئی اس طرح ایلاف کا زمانہ کم و بیش ۴۶۵ء کا سمجھا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں کون کہاں کا بادشاہ تھا؟

رومی:

قسطنطنیہ کا بیزنطینی (رومی) حکمراں اس زمانے میں لیون اعظم (پہلا لیون) تھا

جس نے ۳۵۷ء تا ۳۷۲ء حکومت کی۔ اس کے زمانے میں افریقہ میں شدید جنگیں ہوئیں ۔اس کے عہد میں ایران سے تعلقات پُرامن تھے اس لیے ہر قسم کی معاشی سرگرمی کا موقع ملا ہوگا۔ سلطنت روما کے جب دوٹکڑے ہوے تو مصر بیزنطینیوں کے قبضے میں رہا اور کہتے ہیں کہ انہوں نے تجارتی حمل ونقل کو خشکی کے کاروانوں کی جگہ سمندری جہازوں کے ذریعے سے انجام دینا شروع کیا۔ افریقہ میں جنگ چھڑی تو لازماً سارے بحری وسائل فوج اور ہتھیار روانہ کرنے میں لگا دیے گئے ہوں گے، ان حالات میں یمن، ہندوستان اور باقی مشرقی ممالک سے جن چیزوں کی درآمد ہوا کرتی تھی اس کے لیے یہ قابلِ فہم اور معقول چیز ہے کہ ان خشکی کے کاروانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے جو مکہ سے گزرا کرتے تھے۔

ایرانی:

۳۶۵ء کی تاریخ پر ایران میں خسرو پرویز تخت پر نظر آتا ہے۔ نویلڈیکے اور کرسٹنسن کے مطابق یہ ۳۵۵ء تا ۳۷۲ء حکمران رہا مگر اس میں سہو معلوم ہوتی ہے۔ ابن حبیب (کتاب المحبر، ص ۳۶۱ و مابعد) کا بیان زیادہ قرین قیاس ہے کہ پرویز نے ۳۵۹ء سے ۳۸۴ء تک حکومت کی۔ مندرجہ ذیل واقعے سے معلوم ہو سکے گا کہ اس بادشاہ کو بیرونی کاروانوں اور درآمدوں کی کیوں ضرورت پیش آئی:

> ان کی حکومت کے زمانے میں ایک قحط پڑا لیکن بادشاہ نے اس سے اچھی طرح نپٹ لیا۔ جو کچھ خزانہ شاہی میں تھا وہ اس نے بانٹ دیا اور محصول (ٹیکس) کی وصولی بند کردی۔ اور جتنا ہو سکتا تھا نظم ونسق کو بہتر بنا دیا۔ صرف ایک شخص کو مستثنیٰ کردیں تو کوئی آدمی اس زمانے میں قحط کی وجہ سے نہ مرا...... دیگر راویوں کے مطابق یہ قحط مسلسل سات سال تک جاری رہا، نہروں اور چشموں کا پانی سوکھ گیا، درخت اور جنگل خشک ہو گئے، زراعت اور نباتات عام طور پر مر گئے، چاہے میدانوں میں ہوں کہ پہاڑوں پر، پرندے اور جنگلی

جانور بھوک سے ہلاک ہو گئے، گھریلو جانور قحط زدگی سے اتنے کمزور ہو گئے کہ حمل ونقل کے لیے ان پر کوئی چیز لادی نہیں جا سکتی تھی۔ دریائے دجلہ میں پانی اتر گیا اور غذا کی کمی مایحتاج کی قلت اور ہر قسم کی مشکلوں کے باعث لوگ عام طور پر قحط کا شکار ہو گئے۔ اس پر بادشاہ (پرویز) نے رعایا کے نام فرمان صادر کیا اور انہیں اطلاع دی کہ انہیں محصول مالگذاری جزیہ (محصول چنگی) اور نائبہ (دیگر عارضی محصولوں) اور بیگاری سے معاف کیا جاتا ہے، یہ کہ اب وہ اپنے مالک آپ ہیں۔ اور یہ کہ وہ انہیں حکم دیتا ہے اپنی بقا وگذر کے لیے غلہ فراہم کرنے کی ساری ممکنہ کوشش کریں، بادشاہ نے ان کے نام ایک اور فرمان بھی جاری کیا، اس میں انہیں حکم تھا کہ چھپائے ہوے، جمع کیے ہوے اور غلے کے دیگر ذخیرے نکالیں جو کہ انسانوں کے لیے غذا کا کام دیتے ہوں، آپس میں مساوات ملحوظ رکھیں، ترجیحات کو نظر انداز کریں، امیر اور غریب میں یکسانی پائی جائے، چھوٹے بڑے میں تفریق نہ ہو۔ بادشاہ نے انہیں متنبہ کیا کہ اگر کہیں کوئی شخص فاقہ کشی سے مرے تو اس پورے شہر یا گاؤں کے باشندوں کو سزا دی جائے گی اور بہت سخت سزا دی جائے گی۔ پرویز نے اس قحط کے زمانے میں نظم ونسق اس طرح چلایا کہ کوئی شخص بھوک کی وجہ سے ہلاک نہ ہونے پایا۔ صرف ''اردشیر خرہ و فیروز'' نامی مقام پر ایک واردات ہوئی۔ پھر اس زمانے میں بادشاہ نے خدا سے رجوع کیا اور برسات کے لیے دعا کی، خدا نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ملک حسب سابق سرسبز ہو گیا پانی کو افراط ہو گیا اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔''

(تاریخ طبری، طبع یورپ سلسلہ اول صفحہ ۱۰۴۲ تا ۱۰۴۳، کرسٹنسن کی فرانسیسی تاریخ ساسانیاں، ص ۴۸۵ تا ۴۸۶)۔

یمنی:

جہاں تک یمن کے حکمران کا تعلق ہے اس سے مراد غالباً تُبّع بن حسان بن تُبّع ہے جس نے مشہور الحارث بن عمرو الکندی (مشہور شاعر امراؤ القیس بن حُجر کے دادا) کو اپنا نائب اور سپہ سالار بنا دیا تھا۔ اس کے متعلق تاریخ طبری (ص ۸۸۱ تا ۸۸۲) میں لکھا ہے: ''اسے جنات نے (ویران صحرا میں) بھٹکا دیا تھا، مگر وہاں سے وہ صحیح سلامت واپس آ گیا وہ علم نجوم کا سب سے بڑا ماہر اور اپنے زمانے کے عالموں میں سب سے زیادہ عقلمند تھا، اور تاریخ گذشتہ اور آئندہ واقعات کو پیشین گوئی کی واقفیت بھی سب سے زیادہ اس کو تھی پھر وہ تُبّع بن حسان بن تُبّع بن ملکیکرب بن تبع الاقرن کے نام سے حکمران بنا۔ حمیری (جنوبی عرب والے) ہوں کہ دیگر عرب، سب اس سے تھراتے تھے۔ اس نے اپنے بھانجے الحارث بن عمرو بن حجر الکندی کو ایک بری فوج کا سپہ سالار بنا کر قبائل مَعَد اور شہر حیرہ اور اس کے آس پاس علاقے کی طرف روانہ کیا، اس زمانے میں حیرہ کا بادشاہ النعمان بن امراؤ القیس (المعروف بہ ابن الشقیقہ) تھا، حارث وہاں پہنچا اور لڑائی کے بعد نعمان اور اس کے چند رشتہ داروں کو قتل کیا اور اس کی فوج کو شکست دی صرف بادشاہ کا بیٹا جو قبیلہ نمر کی ماء السماء نامی بیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، اس قتل عام سے جان بچا کر بھاگ نکلا المنذر کا خانوادہ حکومت سے محروم ہو گیا اور الحارث بن عمرو اس کے علاقے کا بھی مالک ہو گیا۔'' یہ حارث بہت دن تک حکمران رہا۔ اس نے اپنے بیٹوں کو فوج دے کر بھیجا کہ شام اور غسانیوں کی حکومت بھی چھین لے۔ سویڈن کے مستشرق اولنڈر نے اپنی انگریزی کتاب:

(OLINDER, THE KINGS OF KINDA OF THE FAMILY OF AKILAL MURAR)

یعنی خانوادۂ آکل المرار کے حکمرانان کندہ، مطبوعہ لوند، ۱۹۲۷ء ص ۲۸) میں اس کے متعلق لکھا ہے: ''یہاں جس حمیری حکمران کی طرف اشارہ ہے اس سے مراد ہارتمان صفحہ ۴۹۷ (HARTMANN, ARABISCHE FRAGE) کے مطابق شرحبیل یکف بن شرحبیل یعفر ہے جس کا ذکر ۴۶۷ء کے ایک کتبے میں ملتا ہے (اس بارے میں دیکھو گلازر، ص ۲۶)

اس شرحبیل یعفر کا ذکر ریکمانس (GRYKMAN) نے بھی مجلہ (GLASER ZWEI INSCHRIFTEN) موزیون (MUSEON) جلد ۶۱، شمارہ ۳، ۴، ۱۹۴۸ء ص ۲۳۳ میں اپنے فرانسیسی مضمون (احمد فخری کے دریافت کردہ یمنی کتبے) میں کیا ہے، اس گماں کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ حضرموت میں بمقام رابیہ ہر سال ایک میلہ لگتا تھا جس کے متعلق مورخ لکھتے ہیں:

> ''وہاں جانا ہوتا تو قریشی تاجر تو خانوادہ آکل المرار سے خفارہ (بدرقہ) حاصل کرتے اور اس میلے کو جانے والے دوسرے لوگ حضرموت کے قبیلہ آل مسروق بن وائل سے خفارہ حاصل کرتے، یہ دونوں قبیلے خفارہ مفت مہیا کرتے لیکن قریش کی سرپرستی کے باعث قبیلۂ آکل المرار سب پر غالب ہوگیا۔''
> (ابن حبیب کی کتاب المحبر، ص ۲۶۷، اور المرزوقی کی الازمنہ و الامکنہ، ۲/۱۶۵، ہر دو مطبوعہ حیدر آباد دکن)

حبشی:

حبش کے سلسلے میں ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ اس زمانے میں مشہور یکسومی خانوادہ وہاں حکمران تھا، لیکن ان بادشاہوں کے سلسلے میں زیر بحث زمانے کے متعلق کوئی تاریخی معلومات حاصل نہیں۔ اگر بعد کے زمانے کے واقعات کو معیار قرار دیا جائے تو اس میں عربی مورخوں کی بیان کردہ باتوں کو ناممکن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

مصری:

باقی رہتا ہے بادشاہ مصر، جس کا ذکر صرف سہیلی کے ہاں ہے، اگر یہاں کوئی غلطی یا سہو قلم نہیں ہے تو اس سے مراد کوئی یونانی گورنر ہوگا، بعد کے زمانے میں مکے والے تاجر اکثر مصر جایا کرتے نظر آتے ہیں لیکن مصر کے کسی بادشاہ کا، جیسا کہ سہیلی نے ذکر کیا ہے، کوئی پتا نہیں چلتا۔

پورے رجب میں لڑائی بھڑائی حرام سمجھی جاتی اور قافلوں تک کو کوئی چھیڑ نہ سکتا، جہاں تک خود اہل مکہ کا تعلق ہے، ان کے لیے بسل کا مشہور ادارہ پایا جاتا تھا (جس کا ذکر سیرۃ ابن ہشام ص ٦٦ میں اور فیروز آبادی کی القاموس میں مادہ ''ب س ل'' کے تحت ملے گا) اور چند مکی قبیلوں کو پورے آٹھ مہینے ....اور ہمارے خیال میں اشہر حرم کے چار مہینوں کے علاوہ کہ اس سے سارے ہی لوگ متمتع ہوتے، گویا سال تمام ......سارے عرب میں امن حاصل رہتا۔ اور وہ جہاں اور جس قبیلے کے علاقے میں چاہتے جا سکتے، یہ امتیاز اصل میں تو مکے کے چند خانوادوں کو حاصل ہوا تھا۔ لیکن اس سے دوسرے لوگ بھی بہ آسانی استفادہ کر سکتے۔ یعنی وہ ان خاندانوں کے کسی فرد کا خفارہ حاصل کر لیں تو وہ ان کے ساتھ ہر جگہ جاتا اور حفاظت مہیا کر سکتا۔ اس خدمت کا اس شخص کو حسب معمول کوئی معاوضہ دیدیا جاتا۔

خلاصہ:

اس بحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے تجارتی اغراض کے لیے ایک وفاق میں منسلک ہو کر متحد ہو چکا تھا، اس سے اس سیاسی اتحاد کا راستہ بن گیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے۔ مذکورہ بالا تاریخی واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے جو وسیع اور بارآور سفارتی سرگرمی دکھائی وہ عرب ہی نہیں عربوں کے نسلی وجغرافیائی وسیاسی حدود کے باہر تک بھی موثر ہو چکی تھی۔

ان سارے بیانات کو کوئی شخص چاہے تو محض خیالی کہہ کر رد کر سکتا ہے، ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ اس مواد کو جو منتشر پایا جاتا تھا یکجا، اور اکٹھا کر دیں، محض گمان کے ذریعے سے واقعات تراشنے ''خواہش'' کو ''حقیقت'' سمجھنے اور ''ہوا ہونا چاہیے'' کہنے کے مقابلہ میں دستاویزوں اور تاریخی بیانوں کو بہر حال زیادہ وقعت دینی پڑے گی، ہماری رائے میں یہ ناممکن نہیں کہ ان عربی بیانات میں کہیں کہیں کچھ مبالغہ کیا گیا ہو، لیکن ان کو محض بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔

پورے رجب میں لڑائی بھڑائی حرام سمجھی جاتی اور قافلوں تک کو کوئی چھیڑ نہ سکتا، جہاں تک خود اہل مکہ کا تعلق ہے، ان کے لیے بسل کا مشہور ادارہ پایا جاتا تھا (جس کا ذکر سیرۃ ابن ہشام ص ٦٦ میں اور فیروز آبادی کی القاموس میں مادہ ''ب س ل'' کے تحت ملے گا) اور چند مکی قبیلوں کو پورے آٹھ مہینے ....اور ہمارے خیال میں اشہر حرم کے چار مہینوں کے علاوہ کہ اس سے سارے ہی لوگ متمتع ہوتے، گویا سال تمام......سارے عرب میں امن حاصل رہتا۔ اور وہ جہاں اور جس قبیلے کے علاقے میں چاہتے جا سکتے، یہ امتیاز اصل میں تو مکے کے چند خانوادوں کو حاصل ہوا تھا۔ لیکن اس سے دوسرے لوگ بھی بہ آسانی استفادہ کر سکتے۔ یعنی وہ ان خاندانوں کے کسی فرد کا خفارہ حاصل کر لیں تو وہ ان کے ساتھ ہر جگہ جاتا اور حفاظت مہیا کر سکتا۔ اس خدمت کا اس شخص کو حسب معمول کوئی معاوضہ دیدیا جاتا۔

خلاصہ:

اس بحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے تجارتی اغراض کے لیے ایک وفاق میں منسلک ہو کر متحد ہو چکا تھا، اس سے اس سیاسی اتحاد کا راستہ بن گیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے۔ مذکورہ بالا تاریخی واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے جو وسیع اور بارآور سفارتی سرگرمی دکھائی وہ عرب ہی نہیں عربوں کے نسلی وجغرافیائی وسیاسی حدود کے باہر تک بھی موثر ہو چکی تھی۔

ان سارے بیانات کو کوئی شخص چاہے تو محض خیالی کہہ کر رد کر سکتا ہے، ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ اس مواد کو جو منتشر پایا جاتا تھا یکجا، اور اکٹھا کر دیں، محض گمان کے ذریعے سے واقعات تراشنے ''خواہش'' کو ''حقیقت'' سمجھنے اور ''ہوا ہونا چاہیے'' کہنے کے مقابلہ میں دستاویزوں اور تاریخی بیانوں کو بہرحال زیادہ وقعت دینی پڑے گی، ہماری رائے میں یہ ناممکن نہیں کہ ان عربی بیانات میں کہیں کہیں کچھ مبالغہ کیا گیا ہو، لیکن ان کو محض بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔

ضمیمہ:

اوپر کتاب المنمق مؤلفہ ابن حبیب کا ذکر آیا اسے حال میں دائرۃ المعارف نے چھاپ بھی دیا ہے، جن لوگوں کی اس تک دسترس نہ ہو ان کے فائدے کے لیے اس کے دونوں بابوں کو یہاں مع ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

(۱) حدیث الایلاف

عن ابن الکلبی قال: کان من حدیث الایلاف ان قریشا کانت تجارا، وکانت تجارا تھم لا تعدو مکۃ، انما یتقدم علیھم الاعاجم بالسلع فیشترون منھم ثم یتبا یعون بینھم و یبیعون من حولھم من العرب فکانت تجارتھم کذلک حتی رکب ھاشم بن عبدمناف الی الشام فنزل بقیصر واسم ھاشم یومئذ عمرو، فکان یذبح کل یوم شاۃ فیصنع جفنۃ ثرید وید عومن حولہ فیا کلون وکان ھاشم فیمازعموا احسن الناس عصبا واجملھم فذکرلقیصر

(۱) ایلاف کا قصہ

ابن الکلبی کی روایت ہے کہ ایلاف کا قصہ یوں ہوا کہ (مکے کے باشندے یعنی) قریش تاجر لوگ تھے لیکن ان کی تجارتی سرگرمیاں مکے سے آگے نہ بڑھتی تھیں بلکہ اجنبی لوگ سامان لیکر آتے تو یہ ان سے خریدتے، پھر مکے والوں کو بھی بیچتے اور آس پاس رہنے والے عربوں کو بھی۔ ان کی تجارت کا یہی حال رہا تا آں کہ ہاشم شام کے سفر پر روانہ ہوا اور قیصر[۳] کے سکونتی علاقے میں ٹھہرا، اس وقت تک ہاشم کا نام عمرو تھا۔ وہ ہر روز ایک بکری کاٹتا اور گوشت اور روٹی سے پکائے جانے والے ثرید کے پیالے دسترخوان پر رکھے جاتے اور دعوت عام ہوتی کہ آس پاس کا ہر شخص آ کر کھائے۔ کہتے ہیں کہ ہاشم گٹھے ہوئے بدن کا اور بہت خوبصورت شخص تھا، اس کی اطلاع قیصر تک پہنچائی گئی کہ یہاں ایک قریشی آیا

وقیل: ھھنا رجل من قریش یھشم الخبز ثم یصب علیه المرق و یفرغ علیه اللحم وانما کانت الاعاجم تصنع المرق فی الصحاف ثم یوتدم بالخبز فلذلك سمّی ھاشم۔ وبلغ ذلك قیصر فدعا به فلما رآہ وکلمه آعجب به۔ فکان یرسل الیه فیدخل علیه، فلما رأیٰ مکانه منه قال له ھاشم: ''ایھاالملك ان لی قوماً وھم تجار العرب فان رأیت ان تکتب لھم کتاباتؤ منھم وتؤ من تجارتھم فیقد موا علیك بما یستظرف من ادم الحجاز وثیابه فیکونوا یبیعونه عندکم فھو ارخص علیکم'' فکتب له کتابا بأمان من أتی منھم فاقبل ھاشم بذلك الکتاب فجعل کلمامرّ بحیّ من العرب بطریق الشام اخذ

ہے جو روٹی کو چورا چورا کر کے اس پر شوربا ڈالتا پھر اس میں گوشت ملاتا ہے۔ بات یہ ہوئی کہ عجمی لوگوں کی عادت یہ تھی وہ شوربا تھالیوں میں رکھتے اور تھوڑی سی روٹی بطور سالن کے چکھتے۔ اور اسی لیے اسے ''ہاشم کا لقب دیا گیا جس کے معنی ہیں چورا چورا کرنے والا۔ قیصر کو اطلاع ملی تو اسے بلایا۔ جب ملاقات اور گفتگو کی تو بہت اچھا اثر لیا چنانچہ وہ اسے اکثر بلایا کرتا اور ملاقات کرتا۔ جب ہاشم نے اپنا رسوخ دیکھا تو ایک دن اس سے کہا ''اے بادشاہ، میری بھی ایک قوم ہے جو سارے عرب کی تجارت کی مالک ہے، اگر مناسب معلوم ہو تو انہیں نوشتہ دے کر جان کی حفاظت کا بھی یقین دلا اور تجارتی مال کی حفاظت کا بھی، تاکہ وہ حجاز کے اچھے چمڑے اور کپڑے لا کر تمہارے ہاں بیچا کریں اور یہ تمہیں زیادہ سستا پڑے گا'' چنانچہ قیصر نے اسے ایک نوشتہ دیا کہ جو بھی عرب آئے حفاظت سے رہیگا۔ ہاشم یہ نوشتہ لے کر واپس روانہ ہوا شام کے راستے میں جس جس عرب قبیلہ سے گزرتا اس کے سرداروں سے ایلاف حاصل کرتا، ایلاف کے معنے ہیں ان کی سرزمین میں

من اشرافهم ایلافا فالایلاف ان یامنوا عندهم فی ارضهم بغیر حلف علیهم، و انما هوامان الناس وعلی ان قریشا تحمل لهم بضائع فیکفونهم حملانها ویردّون الیهم راس مالهم وربحهم فاخذهاشم الایلاف ممن بینه وبین الشام حتیٰ قدم مکة فاتاهم باعظم شئی اتوابه فخرجوا بتجارة عظیمة وخرج هاشم یجوزهم ویوفیهم ایلافهم الذی اخذلهم من العرب، فلم یبرح یوفیهم ذلك ویجمع بینهم وبین اشراف العرب حتی ورد بهم الشام واحلهم قراها فمات فی ذلك السفربغزة من الشام۔

(حذفنا المراثی)

فلما مات هاشم، خرج المطلب بن عبدمناف الی

کسی حلیفی کے بغیر (رہ گزر کا) امن حاصل ہو، اور یہ امن سب لوگوں کو حاصل ہو، اس کے معاوضے میں قریش ان قبائل کا سامان تجارت خود لیجائیں گے حمل و نقل کے مصارف نہ مانگیں گے اور بیچنے کے بعد قیمت اور نفع دونوں ان کو واپس ادا کر دیں گے، اس طرح ہاشم نے اپنے اور شام کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب سے ایلاف حاصل کیا اور جب وہ مکہ پہنچا تو (خوشخبری) لایا اس سے بڑی کوئی چیز ممکن نہ تھی پھر سب لوگ ایک بڑا تجارتی کاروان لے کر نکلے۔ ہاشم عربوں کے جس جس قبیلے سے گزرتا اس سے ایلاف کی شرط کی وعدہ وفائی کرتا رہا اور یہ وعدہ وفائی سب کے ساتھ ہوئی اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قبائلی سرداروں کو بھی جمع کرتا رہا اور سب کو ساتھ لیکر شام پہنچا اور وہاں کے شہروں میں ٹھہرا لیکن وہ اسی سفر میں شام (فلسطین) میں بمقام غزہ فوت ہوگیا۔

(اصل میں یہاں کئی مرثیے ہیں جو حذف کیے جاتے ہیں)

جب ہاشم کی وفات ہوگئی تو اسکا بھائی مطلب بن عبدمناف یمن گیا اور وہاں

الیمن فاخذمن ملوکھم عھد لامن تجر قبلھم من قریش، ثم اقبل یاخذ الایلاف ممن مربہ من العرب حتی اتی مکۃ علی مثل ماکان ھاشم اخذ وکان المطلب اکبر ولد عبد مناف وکان یسمیٰ الفیض۔ فھلک المطلب بردمان من الیمن وھوراجع الی الیمن و خرج عبدشمس بن عبدمناف الی ملک الحبشۃ فاخذمنہ کتابا و عھدا لامن تجر قبلہ من قریش، ثم اخذ الایلاف ممن بینہ وبین العرب حتی بلغ مکۃ وھلک عبدشمس بمکۃ فقبر بالحجون، وکان اکبر من ھاشم۔

وخرج نوفل بن عبدمناف وکان اصغر ولد عبد مناف ....فخرج الی العراق فاخذ عھدا من کسریٰ لتجار قریش ثم اقبل یاخذ

کے حکمرانوں سے عہد لیا کہ جو قریش ان کے ہاں تجارت کے لیے آئے اسے امن رہیگا پھر راستے میں جتنے عرب قبیلے پڑتے تھے ان سے ایلاف حاصل کرتا گیا اور ویسے ہی معاہدوں کے ساتھ مکہ آیا جیسے ہاشم نے کیا تھا، عبدمناف کے بچوں میں مطلب سب سے بڑا بیٹا تھا اسے فیض کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ جس وقت (مکرر) یمن کو جا رہا تھا تو یمن میں بمقام رَدمان فوت ہوگیا۔ عبدشمس بن عبد مناف حبش کے بادشاہ کے پاس روانہ ہوا اور اس کے ہاں تجارت کے لیے آنے والے قریشیوں کے حق میں ایک نوشتہ اور عہد حاصل کیا، پھر ان (قبائل) سے بھی ایلاف لیا جو راستے میں پڑتے ہیں اور وہ اس طرح (کامیاب) مکہ واپس آیا۔ عبد شمس کی وفات مکے میں ہوئی اور اسے حجون میں دفن کیا گیا۔ عمر میں یہ ہاشم سے بھی بڑا تھا۔

اور نوفل بھی سفر پر نکلا، یہ عبدمناف کے بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا...... وہ عراق روانہ ہوا اور کسریٰ سے قریشی تاجروں کے حق میں عہد حاصل کیا۔ پھر ان سب عرب (قبائل) سے بھی ایلاف حاصل

الایلاف ممن یمربه من العرب حتی قدم مکة ثم رجع الی العراق فمات بسلمان من ارض العراق۔

وکان بنو عبدمناف هؤلاء اول من رفع الله به قریشا۔ لم ترالعربُ مثلهم قط اسمع ولا اعلم ولا اعقل ولا اجمل۔ انما کانو انجوما من النجوم...... کتاب المنمق (ص ۳۱ تا ۴۰)

(۲) حدیث الرحلتین

الکلبی قال: کانت قریش تعودت رحلتین احدٰ اهما فی الشتاء الی الیمن والاخرٰی فی الصیف الی الشام۔ فمکثوا بذلك حتی اشتد علیهم الجهد۔ واخصب تباله و جرش واهل ساحل البحر من الیمن، فحمل اهل الساحل فی البحر و حمل اهل البر با لمحصب فامتار اهل مکة ماشاوا، وکفاهم

کرتا گیا جن کے علاقوں سے گزرنا پڑا۔ اور اس طرح مکہ واپس آیا پھر جب وہ (مکرر) عراق روانہ ہوا تو عراقی سرزمین میں بہ مقام سلمان فوت ہوگیا۔

عبدمناف کے یہ بیٹے وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھوں ہی سب سے پہلے خدا نے قریش کی قدرومنزلت بلند کی، ان لوگوں سے زیادہ فیاض، عالم، عقلمند اور خوبصورت عربوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، حقیقت میں یہ آسمان کے تارے ہی تارے تھے۔

(۲) دو کاروانی سفروں کا قصہ

کلبی کا بیان ہے کہ قریش کو (سالانہ) دو کاروانی سفروں کی عادت تھی ایک سردیوں میں یمن کی طرف، دوسرے گرمیوں میں شام کی طرف وہ اسی عادت پر قائم رہے تا آں کہ یہ محنت ان پر بار گزرنے لگی پھر تبالہ اور جُرش نیز یمن کے ساحلی علاقے کے باشندوں کی بن آئی، چنانچہ ساحلی علاقے کے لوگ سامان تجارت سمندری راستوں سے، اور اندرونی علاقے والے اونٹوں پر سامان لاد کر آنے لگے۔ ساحل والے جدہ میں

اللّٰہ الرحلتین کانوا یرحلون الی الیمن والشام فانزل اللّٰہ عزو جل: "لایلاف قریش ایلافھم رحلۃ الشتآء والصیف" وقولہ: "امنھم من خوف" یرید خوف العدو، وخوف الجذام فلیس فی الارض قرشی جذم۔ وایلاف قریش یعنی داب قریش رحلۃ الشتاء والصیف فاصابت قریش سنوات ذھبن بالاموال فخرج ھاشم الی الشام فامر بخبز کثیرفخبزلہ، فحملہ فی الغرائر علی الابل حتی اتی مکۃ فھشم ذالک الخبز ونحر تلک الابل ثم طبخھا والقی تلک القدور علی ذلک الخبز فاطعم اھل مکۃ و اشبعھم وکان ذلک اول الحیاۃ

(کتاب المنمق (ص ۲۶۲ تا ۲۶۴)

لنگر ڈالتے اور خشکی والے (مکے کے مضافات میں) محصب تک سامان پہنچاتے۔ اور یوں مکے والے جو چاہتے مایحتاج سامان حاصل کر سکتے، اور وہ یمن اور شام کے جو دو سفر کیا کرتے تھے ان سے خدا نے انہیں نجات دلائی۔ قرآن میں خدا نے یہی یاد دلانے کے لیے وحی فرمائی ہے کہ ''قریش کے ایلاف کے باعث، ان کے ایلاف ہی کے باعث سرما اور گرما کا کاروان چلتا ہے۔ نیز یہ آیت ''اور اس نے خوف پر انہیں امن مہیا کیا''۔ مراد یہ ہے کہ دشمن اور جذام کے خوف سے چنانچہ ساری سرزمین میں کوئی جذام زدہ قریشی نہیں ملے گا۔ اور ایلاف کے معنے ہیں قریش کی سردی اور گرمی کے کاروانی سفر کی عادت۔ پھر قریش کے لیے مسلسل کئی سال قحط پڑا جس سے ان کا سارا اندوختہ ختم ہو گیا۔ اس پر ہاشم شام روانہ ہوا اور وہاں بڑی مقدار میں روٹیوں کی فرمائش دی اور جب روٹیاں تیار ہوئیں تو اس نے انہیں تھیلیوں میں بار کر کے اونٹوں پر لادا اور لیکر مکہ آیا یہاں اس نے ان روٹیوں کو چورا چورا کیا اور (ان لانے والے) اونٹوں کو ذبح

کر کے پکوان کیا (گوشت اور شوربے)
یہ دیگیں اس روٹی پر انڈیلی گئیں اور یہ اس
نے مکے والوں کو کھلایا اور پیٹ بھر کر کھلایا
اور یہ (وہاں) نئی زندگی کا آغاز تھا۔

(ابتدائی فرانسیسی اشاعت ۱۹۵۷ء ضروری تصحیحات
کے ساتھ مؤلف ہی نے ترجمہ کیا)

(ماہ نامہ البلاغ -کراچی- جون ۱۹۶۸ء)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

—